افکارِ امام صدر شہید

ترجمہ

سید نصیر حسین نقوی

مؤسسۃ الشہید الصدر

صدر شہید فاؤنڈیشن

ٹرنک بازار ــــ راولپنڈی

نام کتاب : افکار امام صدر شہید

ترجمہ : سید نصیر حسین نقوی

کتابت : عبدالعزیز۔ راولپنڈی

تزیین : عبدالحفیظ

مطبع : ایس۔ ٹی پرنٹرز۔ راولپنڈی

سنِ اشاعت : جمادی الثانی ۱۴۰۳ ہجری / اپریل ۱۹۸۳ میلادی

تعداد : ایک ہزار

قیمت : پانچ روپے

پیش کش : مؤسسۃ الشہید الصدر۔ (صدر شہید فاؤنڈیشن)

ٹرنک بازار۔ راولپنڈی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر کتاب امام باقر الصدر شہید کی مظلومانہ شہادت کی تیسری برسی کے موقع پر شائع کی جا رہی ہے.

اس کتاب میں امام صدر کے تین نگارشات پیش کی جا رہی ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق قرآنِ حکیم کے عمومی مطالب دوسرے کا انسان کے اعمالِ صالحہ سے ہے اور تیسرے کا تعلق امام زین العابدینؑ کے نہایت مختصر تعارف اور آپؑ کی دعاؤں کے مجموعہ "صحیفۂ کاملہ" سے ہے، اس کے علاوہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے ڈائرکٹر جناب اکبر ثبوت کی تقریر کا ترجمہ بھی پیش کیا جا رہا ہے جو آپ نے امام صدرؒ شہید کی دوسری برسی کے موقعہ پر کی تھی.

امید ہے یہ تعمیری اور انقلابی مضامین قارئینِ کرام کے علمی ذخیرے میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی ترغیبات میں زیادتی کا باعث ہوں گے.

ادارہ

فہرست

~~اعمالِ صالحہ ـــ قرآن حکیم کی نظر میں ۵ - ۲۸~~

قرآن کے عمومی مطالب ۶

عملِ صالح، قرآن کی نظر میں ۱۵

امام زین العابدین اور صحیفۂ سجادیہ ۲۹-۳۸

امام صدر شہید کی زندگی، ایک عملی درس ۳۹-۴۸

قرآن کے عمومی مطالب

اعمالِ صالحہ

قرآن حکیم کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کے عمومی مطالب

سب سے پہلے میں مجلّہ "الاضوا" سے معذرت چاہتا ہوں کہ میں ان کی چاہت اور درخواست کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکا، اس کے بدلہ میں، میں مجلّہ کے قارئین گرامی سے چاہتا ہوں کہ وہ میرے قرآنی اسباق اور دروس کی جگہ "قرآن کے عمومی مطالب" کی میری یادداشتوں کا مطالعہ فرمائیں، جو میں ان کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، میری قرآنی یادداشتیں اور عمومی مطالب، روزمرّہ زندگی، اور ہمارے گرد و پیش کے موجودہ اوضاع و احوال سے کلّی ارتباط رکھتے ہیں، اور ہم دعوتِ اسلامی کی اشاعت میں اور دعوتِ اسلامی کو قبول کرنے میں، جن گراں اور بھاری ذمہ داریوں کا بار اپنے کندھوں پر رکھتے ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونے میں یہ تعلیمات ہماری راہنمائی کر سکتی ہیں۔

مجلّہ "الاضوا" نے مجھ سے یہ چاہا تھا کہ میں قرآن کے مفاہیم پر بحث، یا اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق اور قرآن کے بکثرت موضوعات پر ریسرچ تحریر کروں، جو اس کے آسمانی کتاب ہونے کی خصوصیت کو روشن کر دے، جب میں نے ان کے اس تقاضا کو دیکھا، تو میں اس وقت بہت سی اور متنوع مصروفیات میں پھنسا ہوا تھا، میرے گرد

بہت سے کاموں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، اور میں ان کے درمیان ڈوبا ہوا تھا، باوجود شوق و میلان کے میں ان کی دعوت کو قبول نہیں کر سکتا تھا، لیکن جب میں نے معذرت کے لئے، اپنے دل میں سوچا، تو میں اس فکر میں پڑ گیا کہ قرآن پر تحقیق اور ریسرچ، کافی وقت اور بڑی بحث کا تقاضا کرتی ہے، اس کے لئے تو ایک طولانی مدت درکار ہے، اور کد و کاوش اور سعی و کوشش کو کام میں لایا جائے، تب کہیں جا کر ہم قرآن کے مفاہیم و مطالب کی گہرائیوں کی سیر کر سکتے ہیں، لیکن قرآن کے عمومی مطالب، جو ہماری زندگی کے روزمرہ کے مسائل سے متعلق ہیں، ایک آسان کام ہے اور یہ کام زیادہ کاوش اور کوشش لازم نہیں رکھتا اور زندگی کے امور میں قرآن سے استفادہ کرنے کے لئے قرآن کے مفاہیم کے اعماق اور گہرائیوں میں اتر کر دقیق علمی تحقیقات اور مطالعات کی چنداں ضرورت نہیں، قرآن کی تمام آیات میں عمومی مطالب بکھرے پڑے ہیں اور وہ مطالب انسان کی حق، عدالت اور نیکی کی ہدایت و رہبری کی راہوں کو روشن کر سکتے ہیں، وہ انسان کی روح و رواں کے اسرار و رموز سے ابہام کو دور کر سکتے ہیں، وہ انسانی کمزوریوں اور اس کی روحانی توانائیوں کے نقاط کو اجاگر کر سکتے ہیں اور انسانی روح کی گہرائیوں میں خیر و شر کے فعل و انفعال، جو صورت پذیر ہوتے ہیں ان سے خیر کے رشد کی راہیں اور شر کو جڑ سے اکھاڑنے کی راہیں، انسان کے سامنے روشن ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کیوں نہ ہم قرآن کے عمومی مطالب سے استفادہ کریں؟

جب میں اس فکر میں ڈوبا ہوا تھا، تو سورہ توبہ کی اس آیہ کی تلقین اور تکرار کر رہا تھا:

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ. (التوبہ:۹۴)

تمہارے (جنگ تبوک) سے مدینہ لوٹنے کے وقت، تمہارے پاس آکر، تم سے معذرت و معافی طلب کریں گے، ان سے کہہ دیجئے کہ عذر تراشی نہ کرو، ہم کبھی بھی تمہارے عذر کو قبول نہیں کریں گے. خدا نے تمہارے بارے میں ہمیں خبر دے دی ہے اور عنقریب خدا اور رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے، اس وقت وہ غیب و شہود کی دنیا میں لوٹ کر، تمہارے اعمال سے تمہیں آگاہ اور باخبر کریں گے.

اس آیہ کے پڑھنے پر میرے قدم کانپنے لگے، میں اسے نظرانداز نہیں کرسکتا تھا، میں اسی مقام پر ٹھہر گیا، میں نے اس کی قرأت کو ختم کر دیا تاکہ اس آیۂ قرآن سے عمومی مطالب اخذ کروں، قرآن کی اس پُرگداز آیہ میں، ہر قسم کی عذر تراشی کو رد کرتے ہوئے، پیغمبرؐ کو اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ اسلام کی زبان گویا کی حیثیت و عنوان سے ان لوگوں کی معذرت قبول کرلیں جنہوں نے جنگ سے تخلف اور روگردانی کی ہے انہوں نے عمومی جہاد اور احساس خطرہ کے اعلان کے وقت، رسول اکرمؐ کی اطاعت سے سرتابی کرتے ہوئے، پیغمبرؐ کی سنگت اور ہمرکابی کے شرف اور عزت کو، دنیائے فانی کی خاطر بیچ دیا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے حالات اور شرائط میں کسی قسم کا عذر، خواہ کسی زبان و بیان میں ہو، قبول نہیں کیا جاسکتا.

بہت دیر تک میں اس آیہ کی فکر میں ڈوبا رہا، اس کے بلند پایہ مفاہیم و مطالب کی روح پرور گہرائیوں کی خوشبو کی لپٹوں کو سونگھتا رہا، میں نے اپنے سارے وجود کو، اپنی تمام شعوری صلاحیتوں کو، اپنے سارے احساسات کو اس آیہ کے اختیار میں دے دیا، میں نے اس کا ایک ہولناک ردِّ عمل محسوس کیا جو دعوتِ اسلامی میں منافقوں کے جھوٹے مظاہروں، تساہل پسندوں اور اصلاح طلبوں کی عقب نشینی میں پوشیدہ تھا.

میں نے اپنے آپ سے کہا کہ قرآن سے عمومی مطلب میں یہ اخذ کرتا ہوں کہ جاؤ، کام کرو،

تمہارا کوئی عذر و بہانہ قابلِ پذیرائی نہیں ہے، کیسے کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہے؟ ان روگردانی کرنے والوں کا عذر اور بہانہ کیا تھا؟ ہم قرآن ہی سے براہِ راست سمجھ سکتے ہیں۔

وہ عذر اور بہانے جو کاروانِ نور سے تخلف اور روگردانی کرنے والے ضعیف النفس انسانوں نے تراشے ہیں وہ کیا ہیں؟ اور جب ہم اس قسم کے عذر بدتر از گناہ سے دوچار ہوں، تو کس قسم کا سلوک کریں؟

ان عذر اور بہانوں پر نظر غائر کرنے سے، جن پر سے قرآن نے پردہ اٹھایا ہے اور ان کی بنیاد کی نشاندہی کی ہے ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس زمانہ کے بہانے ٹھیک وہی آج کے بہانے ہیں، یہ عذر تراشیاں حقیقت ہیں اور جو کچھ ان کی روح میں مضمر ہے باہم کوئی تفاوت اور فرق نہیں رکھتی ہیں۔ ان تمام بہانوں کی گہرائیوں میں وہی ایک ہی نوع کی خود خواہی اور خود پسندی چھپی ہوئی ہے، ہماری آج کی انقلابی تحریک کی دعوت، بعینہٖ وہی زمانۂ پیغمبرؐ کی مشکلات اور سختیاں رکھتی ہے۔

اور یہ لوگ بھی بالکل ویسی ہی مصروفیات اور مجبوریاں رکھتے ہیں، مثلاً اگر کسی جنگ میں فتح و کامرانی حاصل ہو تو یہ سست ارادہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ تھے جیسا کہ قرآن نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (عنکبوت: ۱۰)

جب کوئی فتح و نصرت تیرے پروردگار سے پہنچے، تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ تھے، کیا خدا اس سے آگاہ نہیں ہے جو کچھ اہلِ جہان کے دلوں میں ہے؟

اور جب کوئی خسارہ اور نقصان پہنچتا ہے تو یہ کاہل اور پھسڈی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا لطف و کرم تھا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ چنانچہ اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا۔ (نساء: ۷۲)

جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پر خدا کا کتنا لطف و کرم تھا کہ ہم ان کے ساتھ مارے نہیں گئے۔

یہ بہانہ جُو، راستہ کے دور دراز اور طولانی ہونے کا بہانہ تراش کر رسولِ اکرمؐ سے کہنے لگے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا

اے کاش! اس کا کوئی مادی فائدہ بھی ہوتا۔

وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ

یا قریب کا سفر ہوتا۔ تو ہم آپ کے پیچھے آتے

وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (توبہ: ۴۲)

یہ لوگ رنج اور شکنجہ کو برداشت کرنا نہیں چاہتے، وہ خدا کی قسم کھاتے ہیں، اگر ہم تاب و تواں اور استطاعت رکھتے تو تمہارے ساتھ باہر نکلتے، یہ خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

آج بھی سست ایمان اور بے ارادہ افراد، بعینہٖ انہی بہانوں کو اپنی زبانوں پر دہراتے رہتے ہیں اور انہی معانی کو موجودہ زندگی کے مسائل کے قالب میں ڈھالتے رہتے ہیں۔

نمونہ کے طور پر وہ کہتے ہیں، دعوتِ اسلام کی راہ کانٹوں سے بھری ہے، یہ بہت دراز اور طولانی راہ ہے، اتنی دُور کہ ان ناچیز کوششوں سے ہم کہیں پہنچ نہیں سکتے اور نہ مشکلات عبور کر سکتے ہیں۔ ان مشکلات پر قابو پانے اور ان کے خطرناک انجام و عواقب سے

بچنے کی اس ساری طولانی راہ میں، کوئی ضمانت بھی تو نہیں ہے، یہ راہ اتنی طولانی اور دُور دراز ہے کہ راہ نورد اور مسافر، اپنے سفر کے آغاز میں، پایان راہ کے نتائج کو نہیں دیکھ سکتے، کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنی نظروں کو آخر تک ڈال سکے۔ ان حالات میں ہم کیونکر ایسی راہ پر گامزن ہوں، جو آخر پایان تک تاریک ہو اور راستہ بھی کانٹوں سے بھرا ہو، اور اس کی کشش بھی ہماری نظر کی طاقت سے باہر ہے ؟

ہاں ! دعوت اسلامی کی راہ طولانی بھی ہے اور راستے میں رنج وصعوبتیں بھی ہیں، اس راہ میں کجروی اور بے راہ روی ملّت کو سقوط کے گڑھے میں جا پھینکتی ہے، برکاتِ اسلام حقیقی سے ناآگہی اور اس کی عدم شناخت بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے، قابلِ افسوس تو یہ بات ہے کہ آج کی ناواقفیت، ان لوگوں کے افکار اور عقول پر مسلط ہے، جو زندگی کی رزم گاہ سے فرار اور روگردانی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں۔

استعمار، جرائم پیشہ اور فریب کار، ہمیشہ اس کے لئے کوشاں رہتا ہے کہ وہ اقوام وملل کی راہ میں کھڑا ہو جائے، ان کی آزادی کی تحریکوں پر کڑی نظر رکھے اور بڑی سختی اور تشدد سے انہیں کچل کر رکھ دے، یہ راستہ کی ایک اور بڑی رکاوٹ ہے۔

مغربی تہذیب، اپنے وسیع پروپیگنڈے، تبلیغات اور ذرائع ابلاغ اور حمایتوں سے سرگرم عمل ہے یہ بھی اس راہ میں ایک بہت بڑا مانع ہے، باوجود ان موانع اور رکاوٹوں کے، دعوتِ اسلام کا داعی، کیسے اور کیونکر راہ کی ان سب رکاوٹوں کو دُور کر کے راستہ کو خار وخس سے صاف کرے، اور ان تمام مشکلات پر غالب آجائے۔

راہ طولانی ہے، مقصد پُر زحمت اور دُور، اگر اس معنوی راہ کی بجائے، کوئی عام اور عادی سفر ہوتا اور اگر وہ مادی فائدہ بھی رکھتا ہوتا، تو پھر تو یہ راہ چھوٹی ہو جاتی، سفر کا مقصد جو محدود منفعت رکھتا ہو، آنکھ اس فائدہ کو دیکھ سکتی ہو، تو اس صورت میں تو زمین سرگرمیوں

کے لئے آمادہ ہے۔

یہ راہ بڑی طولانی ہے، یہ ایسی چیز نہیں جو قابلِ تردید ہو، لیکن کس مقصد کے مقابلہ میں ؟ جب مقصد خدا کی جانب دعوت اور خدا کی راہ ہو، تو راستے کی دُوری اور درازی کوئی چیز نہیں ہے، کیا مسلمان چاہتا ہے کہ اس راہ کے انجام اور پایان پر وہ مادی برگ و نوا پائے؟ مسلمان ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اتنی جلدی اس کے اس مبارزہ کا صلہ اور جائزہ اسے مل جائے، یا کوئی مادی افتخار حاصل کرے یا اپنی کامرانی ان چیزوں میں دیکھے، اس وقت، اس طولانی راہ کے طے کرنے سے جس کے انجام تک وہ نہیں پہنچ سکتا، گھبرا کر وہ اس راہ میں چند قدم سے زیادہ نہیں اٹھا سکتا، منہ موڑ لیتا ہے اور راستہ بدل دیتا ہے۔

مسلمان کے کاموں کا حقیقی اور انتہائی پاداش انہی تک پہنچتا ہوتا ہے۔

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ.

میں کوئی مقصد جو جہاد میں مجاہدین کے لئے ضمانت دے سکے اور ان کے فوز، رستگاری اور نجات کی تعمیر کر سکے، اس پاداش الٰہی سے بالاتر، اور اس صلۂ خداوندی سے بلند تر نہیں پاتا، اگر مجاہد پاداش الٰہی، رضائے خدا اور خوشنودی الٰہ کو پانا چاہتا ہے تو پھر اس کے لئے راہ کی درازی اور کوتاہی، اس راہ میں موانع سے عبور یا عدم عبور، کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا۔

آسمانی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ، اطاعت پروردگار کے سوا کوئی چیز نہیں ہے، جہاں تک بھی ممکن ہو انسان کو چاہیئے کہ اپنے عمل میں اپنے خدا کے بارہ میں حسن نیت کا اظہار کرے، خدا بھی اس کو پاداش عمل سے نوازتا ہے، خواہ یہ طاعت اور حسن نیت اس کے آخری قدموں پر ہی کیوں نہ ظاہر ہو، آخری قدم اس راہ کے جسے وہ طے کر رہا ہے، یا اس راہ کے ہر قدم پر۔

اسی طولانی راہ کے بارہ میں ہے، جو خدا فرماتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ

سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ. وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

(توبہ: ۱۲۰-۱۲۱)

اس لئے کہ ان کو خدا کی راہ میں کوئی پیاس، سختی اور بھوک نہیں پہنچتی اور اس وجہ سے کہ وہ وہاں (کافروں کی سرزمین میں) قدم رکھتے ہیں، جہاں کافروں کو غصہ آئے، وہ کافروں پر ضربیں نہیں لگاتے مگر یہ ان کے لئے عمل صالح شمار کیا جاتا ہے، اور خدا نیکوں کے عمل کی جزا اور پاداش کو ضائع نہیں کرتا، وہ کوئی چھوٹا، یا بڑا نقصان نہیں کرتے اور کسی سرزمین سے عبور نہیں کرتے مگر ان کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے تاکہ ان کے اعمال کا بہترین صلہ دیا جائے۔"

اس میں شک نہیں کہ یہ راہ کانٹوں بھری ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ یہ راہ ہموار ہے۔ یہ راہ انجام سازی کی راہ اور قرآن کی جانب لوٹنے اور بازگشت کی راہ ہے، یہ اس مرکز کی جانب بازگشت کی راہ ہے، جس سے انحراف اور روگردانی کی گئی ہے، یہ راہ انسان کی ہمہ جہتی اور کامل طور پر راہ ہے اور یہ انسان کو ایمانی سانچے میں ڈھال دیتی ہے اس راہ میں کانٹے، ان ہاتھوں کو جو ان کو ہٹانا چاہتے ہیں، لہولہان کر دیتے ہیں، لیکن انجام کار یہ کمزور اور ناتوان کانٹے انسانوں کے آہنی ارادوں اور ان کے مضبوط عزائم کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

وہ مشکلات جو موجودہ دور میں دعوت اسلامی کے سامنے کھڑی ہیں، وہ ہر انقلابی دعوت میں دنیا کے انقلابات کی تاریخ میں وجود رکھتی ہیں، دوسرے اگر ان مشکلات پر

قابو نہ پاتے، تو تاریخ کے اوراق نہ پلٹتے، اور ہمیشہ دنیا یکساں رہتی، دعوتِ اسلامی کے آغاز میں بھی یہی مشکلات موجود تھیں۔

آیا اس وقت جب رسولِ اکرمؐ غارِ ثور میں چھپے ہوئے تھے اور دشمن کے دربان اور جاسوس حجاز کے سارے بیابان میں ان کی تلاش میں دوڑ رہے تھے، کہ اگر ان کو پالیں تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں، کون شخص یہ پیشگوئی کر سکتا تھا اور یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ تنہا اور اکیلا شخص جو دشمنوں کے نرغہ سے بھاگ کر آیا ہے اور وہ راہ جو اس نے اختیار کر رکھی ہے، بہت جلدی قیصر و کسریٰ کی بساطِ اقتدار کو الٹ کر رکھ دے گا اور اس دور کی ساری متمدن دنیا سے جنگ مول لے کر ان سے برسرِ پیکار ہو جائے گا اور تاریخ کے ایک عظیم ترین انقلاب کو جنم دے گا۔

وہ تساہل پسند پیغمبر اکرمؐ کو دیوانہ کہتے تھے۔

نہیں، وہ دیوانے نہیں تھے۔

ہاں! بخدا وہ دیوانے نہیں تھے، صرف جہان آفرینِ خدا کی یاد ہے، جس نے ان کو اس تحریک پر آمادہ کر رکھا تھا اور تم جلدی ان کو باخبر جان جاؤ گے۔

عمل صالح ۔ قرآن کی نظر میں

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (توبہ : ۱۹)

کیا حاجیوں کی سقائی اور مسجد حرام کی آبادی کو اس شخص کے کام سے جو خدا اور روز جزاء پر ایمان لایا اور خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے، برابر اور یکساں سمجھتے ہو، یہ خدا کے نزدیک یکساں نہیں ہیں، اور خدا ظالم قوم کو ہدایت نہیں کریگا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔ (توبہ : ۱۷)

مشرکین جب تک وہ اپنے کفر پر گواہ اور برقرار رہیں، مسجد کی آبادی کا حق نہیں رکھتے، یہ وہ ہیں کہ ان کے اعمال حبط ہو جائیں گے اور یہ ہمیشہ کی آتش فروزاں میں رہیں گے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ۔ (توبہ : ۱۸)

مساجد کی آبادی کو وہ صرف انجام دیتے ہیں جو خدا اور روزِ جزا پر ایمان لائے وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور یہی ہدایت کی راہ پانے والے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ۔ (جاثیہ: ۱۵)

جس نے نیک اور صالح عمل کیا، اس کے اپنے فائدہ کے لئے ہے اور جس نے برے کام کا ارتکاب کیا، اس نے اپنے ساتھ بُرا کیا ہے پھر تم اپنے رب کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم : ۹۶)

وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، خدائے مہربان جلدی ان کی محبت کو لوگوں کے دلوں میں ڈال دے گا۔

• • •

اب ان لمحات میں، جب ہم ان آیات کے پرتو نور اور روشنی میں دیکھ رہے ہیں تو ہم اس میں کوئی وجہ نہیں پاتے کہ اسلام میں کام کی قدر و قیمت کو اقتصادی پیمانوں سے ماپیں، اور نہ ہم اس کے درپے ہیں کہ کام کو ہم بازارِ تجارت کے سرمایہ کی نظر سے یا اس مال کی مانند جس کو مزدور حساب کرتے ہیں، اپنی توجہ کا مرکز قرار دیں اور تمام تجارتی

اموال و اشیاء کی مانند، اس کو بھی طلب و رسد کے ترازو پر وزن کریں اور اس کی قدر و قیمت کا تعین کریں۔

اس قسم کی تحقیق موضوع بحث سے خارج ہے، اور اسے ہم اپنی کتاب اقتصادنا کے حوالے کرتے ہیں، کیونکہ وہ آیات قرآنی، جن کے باعظمت پرتو میں ہم اب قرار پائے ہوئے ہیں، ان کو اقتصادی پہلوؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی کاموں کی عالی تر اور وسیع تر قدر و قیمت کو پیش کرتی ہیں، اور کلی طور پر دوسرے مفاہیم و مطالب کو پیشِ نظر رکھتی ہیں، اور کسی صورت میں بھی، ان کو محدود اقتصادی پہلوؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس بنا پر اسلام میں کسی کام کی قدر و قیمت کو، انسانیت کی نظر سے اور اس کی اخلاقی قیمت سے دیکھنا چاہیئے، نہ کہ اسے اقتصادی نظر سے دیکھا جائے، کیونکہ اس کی نظر تو صرف حصولِ زر اور دولت پر ہوتی ہے اور وہ تو صرف مال کی تولید اور اس کی عادلانہ تقسیم پر ہی اپنی نظروں کو محدود کئے ہوئے ہے۔

دوسرے لفظوں میں، اب ہم انسانی کام کی اخلاقی قدر و قیمت پر نظر کرتے ہیں نہ کہ اقتصادی قدر و قیمت پر انسان کا کونسا کام قابلِ قدر اور لائقِ احترام ہے اور کس پیمانہ اور ترازو سے ہم اس کام یا اس کام کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا تعین کر سکتے ہیں، اور کس طرح ایک کام کو اخلاقی اور معنوی حیثیت سے وزن کیا جا سکتا ہے؟

یہ وہی سوال ہے جس کا ہم چاہتے ہیں جواب اسلام کے نقطۂ نظر سے حاصل کریں، ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے جواب کو ان آیاتِ مذکورہ بالا کے متن اور ان کے مطالب سے، مناسب اور موزوں صورت میں، مختصر بحث کر کے جو اس کتابچے کا تقاضا ہے حاصل کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا سوال کا جواب ہر مکتب فکر اور ہر نظریہ، صرف اپنے

اخلاقی مفاہیم کی رو سے دے گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مفاہیمِ اخلاقی کو بھی، اس کے کلی مقاصد کے ساتھ، ہر مکتبِ فکر، اپنی نظر سے متعین کرتا ہے اور ان کے مجموعے سے ایسے نمونے حاصل ہوتے ہیں کہ انسانیت، ان مکتبی اخلاقی مفاہیم تک پہنچنے میں سرگرم عمل ہوتی ہے۔

• • •

تمدنِ سرمایہ داری، ایک مکتبِ فکر کی رو سے اور نظریاتی حیثیت سے، اجتماعی زندگی اور افراد کے مابین خارجی روابط کے مصالح کے بارہ میں یہ نظریہ رکھتا ہے کہ ہر وہ عمل جس کا تقاضا اجتماعی مصلحت کرے اور وہ اجتماعی روابط کے استحکام میں ممد و معاون ہو اور وہ افراد کی آزادی کی اساس پر اور باہم بہرہ وری میں ان کی مساعدت کرے، وہ ایک شریفانہ اور قابلِ احترام کام ہے اور جتنے بھی، اس کے نتائج اور ثمرات، اجتماعی اور عمومی زندگی میں زیادہ ہوں گے، اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بہت باعظمت ہوگی۔ یعنی کام کی قدر و قیمت کو، اس سے حاصل ہونے والے فوائد کے ترازو پر وزن کیا جانا چاہیئے، نہ ان روحانی انگیزوں اور جذبات و محرکات پر جن کی بدولت کام وجود میں آیا ہے۔

جب سے سرمایہ داری کے نظام اور تمدنِ پر نفع پرستی کا پہلو، دوسری تمام چیزوں پر غالب آیا ہے ہر چھوٹا کام بھی اس راہ میں، ان کے سامنے بڑا جلوہ گر ہوا ہے اور الکسیس کارل کے قول کے مطابق، ایک کارکن شخص نیک اور کارآمد شمار ہوتا ہے خواہ وہ کوئی بھی طرزِ فکر، کسی قسم کا احساس یا کوئی جذبہ محرکہ، کام کرنے میں رکھتا ہو، اس لئے وہ سرمایہ دار اور ثروت مند جو ایک مدرسہ بناتا ہے یا سردیوں میں بے نواؤں کی مدد و دستگیری کرتا ہے اور ضرورت کے مواقع پر حکومت کو بلا سود قرض دیتا ہے ..... وہ ایک مفید اور نیکوکار شخص ہے، لیکن کسی وقت بھی اس شخص کا کام ایک سیاسی لیڈر کے کام کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا، جو اپنے ملک اور وطن کو سیاسی قید سے آزاد کرانے، اور انسانی احترام

کے تحفظ کی خاطر تنگ و دو کرتا ہے کیونکہ اس سیاسی تحریک کا خارجی پہلو وسیع تر ہے اور عوام کی زندگی میں اس کا فائدہ بیشتر ہے، اگر ہم ان دو کاموں سے ذرا نیچے اتر آئیں، تو ناچیز اور محدود کاموں کی باری آتی ہے، جو وقتی ضرورت کے سوا کسی درد کی دوا نہیں ہیں، مثلاً ایک نابینا اور اندھے شخص کی نیاز اور احتیاج، کہ وہ سڑک عبور کرنا چاہتا ہے آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہمدردی اور دلسوزی کی رُو سے اس کی رہنمائی کرتے ہیں، یہ بھی ایک نیک کام ہے لیکن نظام سرمایہ داری کی اقدار، اس کے امتیاز کی چنداں قائل نہیں ہیں، مگر اس وقت جب اس کا نتیجہ دوسرے کاموں کی مانند، زیادہ اور وسیع تر ہو۔

• • •

مارکسزم اس امر میں کسی حد تک موافق اور بعض جہات میں مخالف ہے، وہ اس کا معتقد ہے کہ معاشرہ کے میدان اور رزم گاہ میں طبقاتی جنگ اس کا موجب بنتی ہے کہ عوام کے مفادات اور عمومی مصالح میں تضاد اور تناقض پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ با اقتدار طبقہ ان مفادات اور مصالح کا دفاع کرتا ہے جو اپنی تاریخی ضرورت کھو چکے ہوتے ہیں، اور ان امور کی طرف توجہ، تاریخ کی قوتِ محرکہ کو کمزور کر دیتی ہے، ان مفادات و مصالح کے مقابلہ میں دوسرے مفادات و مصالح بھی وجود رکھتے ہیں، جو ایک یا چند جدید طبقات کے لئے ہیں، جو گذشتہ زمانہ کے ساتھ برسرِ کار آئے ہیں، یہ طبقات جو بتدریج بروئے کار آئے ہیں، یہ اس قابل ہو گئے ہیں کہ بتدریج اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر برسرِ اقتدار طبقہ کے روبرو، ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے برسرِ پیکار ہو جائیں اور اپنے حقوق و مصالح کا مطالبہ کریں۔

اس بنا پر اس مکتبِ فکر کے سامنے اہم مسئلہ یہ ہے کہ چند انفرادی کاموں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کوئی کام سود مند یا غیر سود مند نہیں ہے، ان کے سامنے طبقہ جدید اہم ہے، اور وہی کام مفید اور سود مند ہے جو طبقہ جدید کے لئے مفید و سود مند ہو، اور مضر کام وہ کام ہے

جو جدید گروہ کے زیاں پر منتج ہوتا ہو، اسی بنا پر ہر وہ کام جو طبقہ روے کار و جدید کے سود و مصلحت کے لئے ہو وہ کام قیمتی اور گرانبہا ہے، وہ معاشرہ کی تاریخ کی ترقی میں مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے اور ہر وہ کام و عمل جو پہلے طبقہ کے مصالح اور مفادات کا ضامن ہو، اور اس کی اجتماعی موجودیت کی جڑوں کو زیادہ مضبوط بنائے، جنگ کی مدت اور اس کے احتضار کے وقت کو طولانی کردے، ایک عمل ارتجاعی اور پست و رجعت پسندانہ کام ہے اور جب تک وہ کام، مارکسزم کے بلند مقاصد، طبقۂ جدید کے مفادات میں قدم نہ اٹھائے، اور ان کا طبقۂ اولین جو تاریخ کی پیش رفت سے برسرپیکار ہے، اس کو پیچھے دھکیلنے یا ہٹا دینے میں مدد نہ کرے وہ کام رجعت پسندانہ اور پست ہے۔

پس یہ سود اور مصلحت طبقہ کی ہے جو کسی کام کو اخلاقی اور سودمند بناتی ہے، اور اسی راہ ہی سے کسی کام کی اخلاقی اور معنوی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جانا چاہیئے۔

اسی لئے لینن اپنا معروف قول بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ہمارے نظریہ کے مطابق کوئی آداب بھی، معاشرہ کے حال کی رعایت سے بلند تر نہیں ہے، اب اخلاق اور تربیت نام کی چیزوں کے چہروں سے جھوٹے پردے اٹھائے جا چکے ہیں، ہمارے نظریہ کے مطابق، اخلاق و آداب، مزدور طبقہ کی جنگ کے منافع کے زیر اثر ہیں۔

• • •

اسلام اس مسئلہ کی تحقیق میں، ایک اور نظریہ کا اظہار کرتا ہے جو ان بیان کردہ نظریات کے ساتھ، ایک بنیادی فرق رکھتا ہے، مختصر یہ ہے کہ اختلاف نظریات، اس مقام پر جڑیں پکڑتا ہے کہ انسانی زندگی کے لئے اسلام کے بلند و عالی مقاصد، اور وہ راہیں جو ان مقاصد کو معاشرہ میں بروئے کار لانے کے لئے اختیار کی گئی ہیں، ان سے اسلام چاہتا ہے کہ وہ اپنی اخلاقی قدروں کی بنیادوں کو انہی مقاصد پر استوار کرے اسی لئے وہ نظام سرمایہ داری

کے محدود مقاصد اور تمام مادی معاشروں کے مقاصد سے بالکل جدا اور مختلف ہے۔

اسلام کام کے محرکات پر توجہ کرتا ہے، اس کے منافع پر نہیں، اسلام اس کا معتقد ہے کہ ہر کام کی قیمت اس کے محرکات کی رُو سے، مقرر کرنی چاہیئے نہ کہ اس کے مادی منافع کی بنا پر، ہر کام میں، اس شخص کی نیت جو اس کام کو انجام دیتا ہے، اس کے حسن و قبح اور اس کے اچھے یا بُرے ہونے کی شرط ہے، جب تک کسی کام میں نیک نیتی کارفرما نہ ہو، اس کو نیک کام نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اسلام کام کے خارجی پہلوؤں پر نظر نہیں رکھتا، وہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنی توجہ کو، لوگوں کی اجتماعی زندگی کے اوضاع و احوال تک محدود رکھے، کیونکہ وہ اس کا معتقد ہے کہ یہ انسان کی باطنی زندگی کی عمیق تر اور اہم تر حقیقت کی تصویر کا صرف ایک رُخ ہے، اور جب تک مذہب اس باطنی حقیقت کو اپنے اختیار میں لے کر انسان کی اس پہلو سے تعمیر نہ کر سکے اور اس کو بلند و بالا نہ لے جائے اور اس جذبہ کو ایک مخصوص فارم اور شکل میں، عمل میں نہ لاسکے، اتنے تک وہ معاشرہ کی حقیقی رہبری اور قیادت کو ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

اس وجہ سے اسلام کی نظر میں یہ اہم نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان اجتماعی روابط اس طور پر قائم کئے جائیں، جو مادی فائدہ پر منتج ہوں، اہم یہ ہے کہ انسان کو ایک پاک فرد بنایا جائے تاکہ اس کے اجتماعی روابط، اس کے فطری خلق اور باطنی خُو کی جڑوں کی آبیاری کی جائے، اس وقت اس کا باطن اس کے ظاہر پر عکس انداز اور پرتو فگن ہو۔

ایک جملہ میں، اسلام چاہتا ہے کہ اپنے انسان کو ایک اسلامی انسان بنادے، اس لئے ایسے انسان کی تربیت کی کفالت کو اس نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور ہر چیز سے پہلے چاہتا ہے کہ اس کی روحانی صلاحیتوں کو اسلام کے مطابق پروان چڑھائے لیکن نظام سرمایہ داری اس بھاری ذمہ داری اور اہم فرض کی جانب توجہ نہیں دیتا، وہ صرف لوگوں کے

مابین اجتماعی روابط پر نظر رکھتا ہے تاکہ وہ ان کے اجتماعی منافع اور نتائج تک پہنچ پائے، وہ ان فکری محرکات اور روحانی سرمایہ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، جو ان منافع کے پیچھے مخفی اور پوشیدہ ہیں اور ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اس ترتیب سے اسلام، ہر شخص کے اعمال اور کاموں کی قدر و قیمت کو، اس کی روحانی و فکری حدود، اس کے محرکات اور اس کی وہ زمین جس میں کام کے بیج کو ڈالا گیا ہو، کے پیش نظر مقرر کرتا ہے، حالانکہ دوسرے کاموں کی قدر و قیمت اور ارزش کو، ان کے نتائج اور منافع میں اور زندگی کے ان میدانوں میں قرار دیتے ہیں، جن میں کام ان کی تعمیر میں اثر انداز ہوتا ہے۔

اس بنا پر یہ کلی فکری زمینیں کہ اسلام ان کو پیش نظر رکھتا ہے وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان ہے، اور اس کے محرکات سے مراد وہ عواطف اور میلانات خیر ہیں، جو اس زمین میں باہم مخلوط ہیں اور اس طرح سخت باہم پیچیدہ اور لپٹے ہوئے ہیں، جو مجموعی طور پر ایک واحد انسانِ مسلمان کو تشکیل دیتے ہیں اور نیک کام، وہ کام ہے، جو ان عواطف و میلانات سے اسی ایمان کلی کے جذبہ کے دامن میں، اپنی جڑوں کو لگائے ہوئے ہو۔

اس اصول کی بنا پر قرآن ان دو کاموں کے درمیان قیاس آرائیوں کو قطع کر دیتا ہے، وہ کام جو ایک کلی ایمانی کی سرزمین سے پھوٹتا ہو، اور وہ کام جو نفسانی خواہشات کے محرکات اور مادی جذبات کے سرچشمہ سے وجود میں آیا ہو، ہر چند اس کے نتائج عالی اور درخشاں ہی کیوں نہ ہوں، ان دو کا موازنہ اسلام کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (توبہ: ۱۹)

شیبہ کہتا تھا کہ کعبہ کی کنجیاں ہمارے ہاتھ میں ہیں، پس ہم پیغمبرؐ کے بعد بہترین لوگ ہیں، عباس کہتے تھے، کہ ہم حاجیوں کی سقہ گری اور مسجد الحرام کی آبادی اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں، پس ہم رسولِ خدا (ص) کے بعد تمام لوگوں سے برتر ہیں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السّلام ان کے پاس سے گزر رہے تھے، ان کو اس خود خواہی کے جذبات میں جوش و خروش میں دیکھا۔ ان دونوں نے جاہلیت کے موازین کی بنیاد پر اور اپنے خود خواہی کے اخلاق کی بنا پر، ان کے سامنے معاملہ کو رکھا۔ امام علیہ السّلام نے جو قرآن کے تربیت یافتہ فرد وحید اور مفاہیم قرآن کے جاننے میں یگانہ روزگار شخصیت تھے اور ان کی سراسر زندگی قرآن کی تربیت سے سرشار تھی، ان سے فرمایا کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ایک ایسا شخص دکھاؤں جو آپ دونوں سے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا وہ کون ہے؟ فرمایا، وہ وہی جس نے تم دونوں کو اسلام کی رہبری فرمائی ہے، وہی جو خدا پر ایمان لایا اور اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔

یہ بات عباس اور شیبہ کو پسند نہ آئی، وہ دونوں فیصلہ کی خاطر، پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو خدا نے اس آیہ کو نازل فرمایا، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جو کام ایمان کے قالب میں ڈھل کر، جذبۂ محرکہ سے انجام پائے، اور ہر وہ دوسرا کام جو اس قالب اور جذبہ سے عاری ہو، باہم قابل قیاس اور لائق موازنہ نہیں ہے، کیونکہ ہر کام کی اس کے فکری قالب اور باطنی محرکات کے بنا پر قیمت و ارزش مقرر کی جاتی ہے نہ کہ اس کے ظاہر اور خارجی نتائج پر۔ اسی دلیل کی بنا پر اسلام نے ریاکاری کو حرام قرار دیا ہے، اور ہر وہ عبادت، جو ایمان قالب اور خدائی محرکات سے باہر ہو، اس کو جرم اور شرک گردانا ہے، اگرچہ معاشرہ میں اس کی قدر و قیمت زیادہ اور اس کا ظاہری رنگ و روپ کتنا ہی دلفریب کیوں نہ ہو؟ اسی بنا پر اس میں کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ مسجد الحرام کی آبادی کو ایک لاحاصل

اور باطل کام کا نام دیا جائے، اس دلیل کی بنیاد پر کہ وہ قالب ایمان اور خدائی محرکات سے دور ہے، جیسا کہ ہم ایک اور آیہ میں پڑھتے ہیں :

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ . إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ . (التوبہ : ۱۷-۱۸)

مشرکین جب تک اپنے کفر پر رہیں، مساجد کی آبادی کا حق نہیں رکھتے، ان کے اعمال بے قدر و قیمت، ان کی جگہ ہمیشہ کے لئے آگ میں ہے صرف انہی لوگوں کو مساجد آباد کرنی چاہئیں جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، امید ہے کہ یہ راستہ پانے والے ہوں گے۔

اسی طرح اسلام نے صدقہ کے پنہاں کرنے اور بعض دوسری نیکیوں کو مخفی طور پر کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ ان سے لوگوں میں ہم نیکیوں کی بنیادوں کو استوار کریں، اسلام انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اپنے نیک کام کو ہر قسم کی فریب کاری سے دور رکھے، اور کوشش کرے کہ اس کا کام جتنا بھی روحانی صلاح و سلامتی کے قریب ہو تاکہ اتنا ہی وہ اس کے روحانی نتائج و ثمرات سے بہرہ اندوز ہو، حالانکہ مغربی اور غیر اسلامی معاشرے اپنے اجتماعی کردار میں اور اپنی روحانی زندگی میں ہر قسم کے مادی وسائل اور فریب کاریوں سے لوگوں کو مفید کاموں کے انجام دینے پر آمادہ کرنے میں، کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ہیں اس حد تک کہ ایک مفید اور سود مند کام، اپنی تمام اخلاقی قدر و قیمت کو، اس فریب کارانہ غل غپاڑے میں کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک اجتماعی اور معاشرتی خدمت کے لئے رات کو ایسی محافل اور مجالس برپا کرنا، جس میں شب بیداری، فحاشی، جوئے اور شراب نوشی میں کی جاتی

ہے، اس لئے کہ ایک غیر اسلامی معاشرہ اس قسم کے روحانی اور معنوی محرکات نہیں رکھتا، جو ایک ایسے اسلامی معاشرہ میں کارفرما ہوتے ہیں جو مومن بخدا ہے اور جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے، غیر اسلامی معاشرے کا دنیا اور آخرت کا رابطہ منقطع ہوتا ہے۔

اسی مقام پر ہم کہتے ہیں کہ اخلاقی ارتداد کی قیمت وارزش، انسانی تمدن کے دور دراز زمانوں سے آج تک دین سے براہِ راست تعلق رکھتی ہے اور دین ہی کی روشنی و پرتو میں ہی ایک سب سے چھوٹا اور معمولی عمل، جو اپنی ظاہری صورت میں بالکل ہی بے مقدار ہے لیکن باطنی جذبہ اور انگیزہ کی نظر سے زیادہ گرانقدر، اور اس بڑے سے بڑے کام سے بڑا ہو جاتا ہے جس کے بڑا ہونے کے لئے بڑی ہائے وہو اور شور وغل کیا گیا ہو اور اسی وجہ سے وہ تاریخی قیمت وارزش پاتا ہے، مثلاً آپ ایک اندھے اور نابینا کو دیکھتے ہیں کہ وہ بڑی تکلیف اور رنج کے ساتھ سڑک کو عبور کرنا چاہتا ہے، وہ تنہا اس سے عبور نہیں کرسکتا آپ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور محض خدا کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اس کی رہنمائی کرتے ہیں، آپ کی یہ رہنمائی آپ کی اس قربانی اور فداکاری سے ہزاروں گنا زیادہ ہے، جو آپ نے اجتماعی مصالح کے موقعہ پر ایک شخصی اور ایمان وتقویٰ کی حدود سے باہر جذبہ سے انجام دیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ. (قصص: ۸۳)

آخرت کے اس بلند پایہ گھر کو، ان لوگوں کو ہم دیتے ہیں کہ وہ زمین میں بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور آخرت متقی و پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اس طرح اسلام، راہ کو، ہر فرد کے سامنے، ہر نوع کے امکانات کے ساتھ، جو اجتماعی خدمات اور سودمند کام انجام دینا چاہیئے، کھلا رکھتا ہے تاکہ وہ ایک انسان کے روحانی کمال کی انتہائی بلند سیڑھیوں پر پہنچ سکے، اور انسانیت کے معنوی ارتقاء تک رسائی پائے، اسلام

معاشرے پر واجب و لازم کرتا ہے کہ وہ افراد کی قدر و قیمت کو ان کے روحانی و معنوی سرمایہ سے ان کی بہرہ وری کے اندازہ پر مقرر کرے، نہ کہ کھوکھلی اور بے مایہ اجتماعی نمود و نمائش پر، اگرچہ وہ کام بظاہر کتنے بڑے اور وسیع کیوں نہ ہوں۔

ممکن ہے کہ بعض افراد، اپنی فکر و نظر سے کام لے کر یہ کہیں کہ وہ افراد جو غیر اسلامی معاشروں میں زندگی بسر کرتے ہیں، قدر و قیمت میں ان کے کام، اسلامی معاشرے میں قرآن پر عمل کرنے والوں کے کاموں سے، صلاح اور حقیقت سے بہت زیادہ قریب ہیں، کیونکہ ہر چیز سے پہلے، اہم ترین، اجتماعی ضروریات کا فراہم کرنا اور معاشرہ کے مصالح کی حمایت و طرفداری ہے، جو کام بھی اسی راہ میں ہوگا وہ ایک عمل ہے با عظمت، اور تمام لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس کام کی قدر کریں، اسے بہت بڑا کارنامہ سمجھیں تاکہ دوسروں کو اس قسم کے کاموں کو انجام دینے کی ترغیب و تشویق ہو جب ہم اپنے اجتماعی مصالح کے کام تک پہنچ گئے ہیں تو پھر یہ امر کیا اہمیت رکھتا ہے کہ کام کے ارتکاب میں کسی کے باطنی محرکات کیا ہیں، اور کون سے فکری و روحانی عوامل میں اس نے اس کام کا عزم مصمم کیا ہے؟

وہ چیز جو واقعی قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ایک ثروت مند نے ہمارے بچوں کے لئے مدرسہ بنایا ہے، ظاہر ہے، ہمارا اس شخص کی قدر کرنا اور اس کے کام کی عزت و بزرگداشت اسے اس کام میں اور تشویق و ترغیب دلاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ہماری قومی پیداوار اور محصول میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب ہمیں اس سے کیا مطلب ہے کہ اس نے اپنی دولت و ثروت کو ذاتی حرص و آز کی راہوں سے فراہم کیا ہو، جب کہ ذاتی طمع نے اس کو نیک کاموں اور اجتماعی خدمات کی دعوت دی ہے۔

ایک سطحی نظر، ان کی مانند، جو بیان ہوا ہے، صرف اشیاء کی ظاہری صورتوں کو دیکھتی ہے، وہ ان کی گہرائیوں میں نہیں اتر پاتی، یہ افکار رسالتِ اسلام سے ایک طرف، دوسری جانب

اسلام کی اخلاقی اقدار کے مفہوم سے اختلاف رکھتے ہیں، جبکہ اسلام، کام اور اس کے اخلاقی روحانی اور فکری سرمایہ کے باہمی ارتباط کو برقرار کرتا ہے۔

لیکن اسلام کی رسالت کے پہلو سے، کیونکہ اسلام صرف اس لئے نہیں آیا کہ ہمارے اعمال و کردار کو منظم کرے، اسلام، رسالت ہے الٰہی، جو ہر چیز سے پہلے یہ چاہتا ہے کہ انسان کو مومن اور با ایمان بنائے، اور اس کی زندگی کو اس نظریہ سے متناسب اور شائستہ بنائے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (انفال: ۲۴)

اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرو، اور یہ جانو کہ خدا ایک انسان اور اس کے دل میں فاصلہ ڈال دیتا ہے اور تم اس کی جانب محشور ہوگے۔

اسلام چاہتا ہے کہ انسان کو حیات دے نہ کہ اس کے خارجی امور کی تنظیم کرے، ممکن نہیں ہے کہ اس نوع کی رسالت، انسان کی داخلی توانائیوں کو چھوڑ کر صرف اس کو ظاہری نظروں سے دیکھے، لیکن دوسری طرف سے اسلام اس طرح نہیں ہے کہ وہ ہر کام کی ظاہری نمود و نمائش پر اکتفا کرے، اور وہ فکری زمینوں اور اس کی روحانی فضا سے کوئی سروکار نہ رکھے، جہاں کام کا بیج نشو و نما پاتا ہے، اصولاً ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی کام کو بھی اس کی روحانی حدود اور اس کے فطری عواطف سے باہر کر دیں، اسلام اس حقیقت کا منکر نہیں ہے کہ اگرچہ کوئی کام بری نیت سے انجام پایا ہو، وہ سود مند نتائج بھی نہیں دے سکتا ہے، لیکن اسلام کہتا ہے جب ہم ان نظریات کو رشد کی اجازت دیں اور ہم رہنے دیں کہ یہ ناصالح افکار کے میدان، بتدریج وسعت پائیں اور پروان چڑھتے جائیں اور اس کے نتیجہ میں، اس قسم کے اخلاقی ارتداد معاشرے پر مسلط ہو جائیں، بھلا کون شخص ہمیں اس کی ضمانت دے سکتا ہے کہ ہمیشہ وہ شخص مفید اور سود مند

کام ہی کرے گا؟

اس صورت میں ہم کیسے یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ جب ایک مفید کام، اس شخص کے چند روزہ مقاصد و مصالح کے مخالف ہوگا تو پھر بھی وہ شخص اپنے سود مند اجتماعی کام کا ارتکاب کریگا؟

اس طرح ہم اس حقیقت الامر کی جانب متوجہ ہوتے ہیں کہ صرف ایک ہی راہ ہے جو مختلف زمینوں اور زمانوں میں مفید کام کی ضمانت دے سکتا ہے اس کو پروان چڑھا سکتا اور اس کی ترغیب دے سکتا ہے اور وہ ہے کام کا داخلی اور روحانی جذبہ یعنی معنوی جذبہ محرکہ۔

امام زین العابدینؑ

اور

صحیفۂ سجّادیہؑ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و سپاس خالق جہاں کے لئے اور درود و سلام خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمدؐ مصطفےٰؐ، ان کی اولاد طاہرینؑ اور ان کے اصحابؓ پر ہے۔

حمد اور درود کے بعد "صحیفۂ سجادیہ" دعاؤں کا ایک مجموعہ ہے، جو حضرت امام زین العابدینؑ سے ہم تک پہنچا ہے، علی زین العابدینؑ، حسین بن علی ابن ابیطالب کے فرزند اور ائمۂ اہلبیتؑ کے ایک فرد ہیں، جن کو خالقِ کائنات نے ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور طہارت و پاکیزگی سے آراستہ فرما دیا ہے۔

یہ چوتھے امام، اہل بیتؑ کے ائمہ میں سے ہیں، ان کے جدِ بزرگوار، حضرت علی بن ابیطالبؑ وحیِ پیغمبرِ خدا اور اظہارِ ایمان میں اوّلین شخصیت ہیں جن کا پیغمبر اکرمؐ سے رابطہ، حضورؐ ہی کے فرمان کے مطابق ایسا تھا، جیسا ہارونؑ کا موسیٰؑ کے ساتھ۔ آپ کی جدّہ حضرت فاطمہ زہراؑ، پیغمبر اکرمؐ کی بیٹی، ان کے جسم کا ٹکڑا اور لختِ جگر تھیں اور ان کے باپ کے ارشاد کے مطابق "دنیا بھر کی عورتوں کی سردار" تھیں۔ آپ کے والد، امام حسینؑ، جنّت کے جوانوں کے سردار، فرزند رسولؐ، باغِ رسالت کے شگفتہ پھول تھے، وہ جن کے بارے میں خود ان کے نانا نے "حسین منی و انا من حسین" فرمایا، وہ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کی خاطر، کربلا کے میدان میں عاشورہ کے دن جام شہادت نوش فرمایا۔

وہ خود ان بارہ اماموں میں سے ایک ہیں، جن کے بارہ میں پیغمبر اکرمؐ نے بخاری،

مسلم اور دیگر صحاح کے مطابق خبر دی ہے :

الخلفاء بعدی اثنا عشر کلھم من قریش.

میرے بعد میرے بارہ خلفا ہیں اور سب کے سب قریش سے ہیں ۔

حضرت امام علی بن الحسینؑ، ۳۸ ہجری میں یا اس سے ایک دو سال قبل پیدا ہوئے، اور قریباً ۵۷ سال زندگی بسر کی، چند سال اپنے جدّ بزرگوار حضرت علیؑ کے دامن میں گزارے، اس کے بعد اپنے عم گرامی امام حسنؑ کے مکتب میں اور امام حسینؑ کے سایہ میں، یعنی پیغمبر اکرمؐ کے دو فرزندوں کے دامن میں تربیت پائی، علوم رسالت اور اپنے اباکرام کی پاکیزہ تعلیمات سے غذا حاصل کی ۔

یہاں تک کہ علوم اور دین کی سرزمین میں آپ امام ہوئے اور علم و حکمت کی مشعلِ فروزاں کو اپنے ہاتھ میں پکڑا، اور حلال و حرام کے مرجع قرار پائے، آپ ورع و پارسائی، زہد و عبادتِ خدا میں دنیا اور زمانہ کے لئے نمونہ قرار پائے، تمام مسلمان آپ کی علمیت، استقامت، عظمت اور برتری پر ایمان لائے تمام دانشوروں نے آپ کی امامت و قیادت، نقابت و مرجعیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ۔

زہری کہتے ہیں :

"بنی ہاشم کے درمیان، علی بن الحسینؑ سے برتر، فقیہ تر میں نے کسی اور کو نہیں پایا۔"

زہری نے ایک اور جگہ یہ بھی کہا :

"میں نے کسی کو ان سے برتر اور بڑھ کر نہیں پایا۔"

سعید بن مسیب کہتے ہیں :

"میں نے کبھی علی بن الحسین کی مثل کسی کو نہیں پایا۔"

مالک، اہلسنت مسلمانوں کے پیشوا فرماتے ہیں :

"آپ کو زین العابدین کا لقب، آپ کی کثرت عبادت اور خدا پرستی کی خاطر دیا گیا۔"

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

"میں نے بنی ہاشم میں سے کسی شخص کو زین العابدین سے برتر اور عالم تر نہیں دیکھا۔"

شافعی، اہلسنت کے ایک اور امام فرماتے ہیں:

"زین العابدین، اہلِ مدینہ میں عالم ترین شخصیت ہیں۔"

یہاں تک کہ اس حقیقت کو آپ کے معاصر اور ہم زمانہ حکمرانوں، خلفاء بنی امیہ نے، باوجود کینہ اور دشمنی کے تسلیم کیا ہے، مثال کے طور پر:

عبدالملک بن مروان، امام عالی مقام سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

"خدا نے آپ کو ایسا علم، دین اور پارسائی عطا کی ہے کہ سوائے آپ کے آبائے کرام، اس سے قبل کسی کو ایسا شرف نہیں بخشا ہے۔"

عمر بن عبدالعزیز نے اس بارے میں فرمایا:

"سراج الدنیا وجمال الاسلام زین العابدین"

مسلمان، عمومی طور پر اس امام کے ساتھ والہانہ جذبات عقیدت کی وابستگی کا شدت سے احساس رکھتے تھے اور ایک خصوصی الفت ومحبت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں پروان چڑھاتے تھے، امام کی قدر ومنزلت دنیائے اسلام میں ہر جگہ امت مسلمہ کے دلوں کی دھڑکنوں میں پائی جاتی تھی، جیسا کہ اس دور میں ایک موقعہ پر حج کے عالمی اور بین الاقوامی اجتماعِ عظیم میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک مراسم حج انجام دینے کی خاطر شریک تھا، وہ طواف کرتے ہوئے چاہتا تھا کہ استلام حجر کرے، لیکن وہ لوگوں کی بھیڑ، جمعیت اور ہجوم کی وجہ سے نہ کر پایا، ایک منبر اس کے لئے نصب کیا گیا، وہ اس پر بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا، اتنے میں اچانک امام زین العابدینؑ، مسجد کے ایک دروازہ سے اندر آئے اور خانۂ خدا کے طواف میں مشغول ہو گئے (ہشام خود دیکھ رہا تھا اور تمام

لوگ بھی دیکھ رہے تھے) جس وقت امام حجر اسود کے سامنے آتے تو بھیڑ چھٹ جاتی اور ان کے لئے راستہ کھول دیا جاتا، لوگ حجرِ اسود کے اطراف سے دُور ہو جاتے تاکہ آپ آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دے سکیں کیونکہ تمام لوگ آپ کو اچھی طرح جانتے تھے، اور پہچانتے تھے، باوجودیکہ وہ دُور دراز کے شہروں اور علاقوں اور مختلف اطراف واکناف سے آکر یہاں جمع تھے، ان کے قوم اور قبیلے بھی متفرق تھے سب کے سب آپ سے محبت رکھتے تھے، فرزدق شاعر نے یہ توفیق پائی اور اس نے اپنے مشہور دلنشین قصیدہ میں اس حقیقت کو ثبت کر دیا۔

ہمیں یہ جاننا چاہیئے کہ امام زین العابدین پر لوگوں کا یہ بھرپور اعتماد صرف ان کی علوم مذہبی میں انتہائی دسترس اور ان کے روحانی خصائل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ آپ کو زندگی کی تمام مشکلات اور اس کے مسائل میں اپنا ملجا وماویٰ اور پناہ سمجھتے تھے، وہ آپ کی خدمت میں دوڑ کر جاتے تاکہ آپ اپنے آبائے طاہرین کی مانند، ان کے مسائل کو حل فرمائیں۔

اسی طرح ایک بار عبدالملک خلیفہ اموی، بادشاہِ روم کے ساتھ الجھ گیا، بادشاہ روم نے دھمکی دی، تاکہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی احتیاج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی نقدی اور سکہ کو ان کی ذلت و تحقیر کرتے ہوئے ملکِ روم سے وارد کرے اور اسکے مقابلہ میں جو قرارداد چاہے اس کے ساتھ باندھے، اس مقام پر عبدالملک حیران، متحیّر اور بے بس ہو کر رہ گیا، اس کی سعتیں اس پر تنگ ہو گئیں، اس نے خود سے کہا میں گمان کرتا ہوں میں بدترین فرزند ہوں جو اسلام میں پیدا ہو گیا، اس نے مسلمانوں کا اجتماع کیا اور ان سے مشورہ میں مشغول ہو گیا۔

کوئی ایسا نقطۂ نظر پیش نہ کیا گیا جس پر وہ کاربند ہو سکے، اس موقعہ پر لوگوں نے اسے کہا تو خود جانتا ہے کہ اس مشکل سے فرار کی راہ کس شخص کے سپرد کی گئی، اس نے بلند آواز میں کہا، تم پر افسوس! کس شخص سے یہ کام انجام پا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اہلبیت پیغمبرؐ کا بازماندہ، اس نے کہا، تم نے سچ کہا، جس کا کام اسی کو ساجھے، اس نے اس مشکل میں امام

زین العابدینؑ کی پناہ لی، امام علیہ السلام اپنے فرزند محمد بن علی الباقرؑ کو شام کی جانب روانہ فرمایا اور اس کو ضروری تعلیمات دیں، وہاں امام محمد باقرؑ نے مسلمانوں کی نقدی اور سکہ کی تنظیم کے لئے ایک نئی بنیاد ڈالی جس کے جاری کرنے سے ملک نے روم کی استعماریت سے نجات پائی۔

مقدر یہی تھا کہ امام عالی مقامؑ اپنی امامت و رہبری اور روحانیت کی ذمہ داریوں کو اپنے باپ کی شہادت کے بعد اپنے ہاتھوں میں لیں، آپ نے اس مقدس مقام اور عہد کو پہلی صدی کے نصف میں سنبھالا، ایسے نازک ترین حالات میں جن سے امتِ اسلامی گزر رہی تھی ایسے مرحلہ پر جب صدر اسلام کی فتوحات کی لہر اپنے ساتھ ساتھ کئی سوغاتیں بھی لائی تھی، یہ لہر اپنے روحانی ہیجان و ولولہ کے ساتھ اور اپنی رزم آرائی کی آئیڈیالوجی کے ہمراہ، اس زمانہ پر چھائی ہوئی تھی، ایسی لہر جس نے قیصر و کسریٰ کی طاقت کے ایوانوں کو متزلزل کر دیا تھا، مختلف اقوام و ملل کو دنیا کے وسیع اور دور دراز بلاد کو جدید دعوت کی جانب بلایا تھا، جس کے نتیجہ میں مسلمان اس دور، قرن اوّل کے نصف میں، متمدن دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ کے حکمران اور فرمانروا بن گئے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اس وسیع حکمرانی نے، دنیا میں مسلمانوں کے لئے سیاسی اور عسکری لحاظ سے ایک بہت بڑی طاقت پیدا کر دی اور وہ ایک عظیم قوت بن کر صفحۂ ہستی پر ابھرے، لیکن اس چیز نے ان کو دو بڑے خطرات سے دوچار کر دیا جو سیاسی اور عسکری حدود سے باہر تھے، ضرورت اس امر کا تقاضا کرتی تھی کہ ایک فعال اور قاطع تحریک سے ان دو خطروں کے مقابل کھڑے ہو کر انہیں روکا جائے ان دو خطروں میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمان مختلف تہذیبوں، تمدنوں اور ان کے قوانین کے مبانی اور ان کی اجتماعی معاشرت سے آشنا ہوتے جا رہے تھے کیونکہ مختلف اقوام و ملل

فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہوتی جارہی تھیں، ان سے میل جول، اور روابط نے یہ مسئلہ پیدا کردیا تھا، اور یہ اسلامی تہذیب و تمدّن کے لئے خطرہ کی گھنٹی تھی۔

اس لئے ضروری تھا کہ علمی میدان میں کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا جائے تاکہ مسلمان فکری آزادی سے سرفراز اور اپنے مخصوص قوانین اور دستورِ حیات سے واقف ہوسکیں جو اسلام میں قرآن و سُنّت کے الہام سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

یہاں اس امر کی ضرورت قطعی طور پر سامنے آتی ہے کہ اجتہاد کی ایک فکری تحریک وجود رکھتی ہو تاکہ اسلامی تعلیمات کی چار دیواری کی حدود میں مسلمانوں کے فکری افق میں وسعت پیدا ہوسکے، جس کے نتیجہ میں وہ کتاب و سُنّت کی مشعل ہدایت کو ہاتھوں میں لے کر کوشش کے جذبہ سے آگاہی، ہوشیاری اور ہمہ گیری، مفید اور اپنی ضروریات میں اپنے حالات و اوضاع میں اس سے بہرہ ور ہوسکیں تاکہ وہ اسلامی تشخص کی اصالت اور آزادی حاصل کریں اور ان کے دلوں میں اجتہاد اور جستجو کا بیج اور راہِ حق کی تلاش کا تخم ڈالا جاسکے، اور یہی وہ اہم کام تھا جس کو امام علی بن الحسین زین العابدینؑ نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔

حضرت امام علیہ السّلام نے اپنے درس کی جماعت کا آغاز مسجد نبویؐ میں کیا، تفسیر، حدیث، فقہ اور ہر نوع کے معارفِ اسلامی کی نشر و اشاعت میں سعی بلیغ فرمائی اور اپنے آبائے طاہرین کے علوم سے، علوم کے پیاسوں کو سیراب و شاداب کیا، ان کے دانشوروں کو فقہ اسلام کی بنیادوں اور اصولوں اور استنباط احکام کے شیوہ اور طریقہ کی مشق و تمرین کرائی۔ اس درس کی جماعت میں سے، مسلمان فقہاء کی ایک قابل توجہ تعداد فارغ التحصیل ہوئی، یہ جماعت اسلامی فقہ کے مکاتب کی ایک اہم فکری بنیاد بنی اور مسلمانوں میں فقہ کی فعال اور سرگرم تحریک کی اساس قرار پائی۔

قرآن کے قاریوں اور کتاب وسنّت کے حافظوں کے ایک انبوہِ عظیم نے آپ کی امامت کو قبول کیا اور آپ کے گرد جمع ہو گئے، سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ قاریانِ قرآن مکّہ میں تب جاتے تھے جب امام تشریف لے جاتے تھے، ایکبار آپ حج کے لئے روانہ ہوئے، تو ہم ایک ہزار سوار ان کے ہمرکاب تھے۔

دوسرا خطرہ ان طوفانی امواج سے پیدا ہو گیا تھا، جو ہمہ گیر فتوحات کے سیلاب میں آئیں اور جن کی بدولت اسلامی معاشرہ عیش وعشرت میں پڑ گیا تھا اور یہ امواج ہر معاشرہ کو معرضِ خطر میں لا کھڑا کرتی ہیں، وہ خطرہ لذاتِ دنیا، اس دنیا کی محدود وچند روزہ زندگی کے تجملات، ٹھاٹھ باٹھ اور آرائش وزیبائش میں اسراف اور افراط کے غرقاب میں ڈوب جانے کا تھا، اس کے نتیجہ میں خطرہ اس بات کا تھا کہ مسلمانوں کو خدا تعالےٰ اور روز قیامت کے ساتھ جو عشق اور روابط پیدا ہو گئے ہیں وہ ان کو چھوڑ نہ دیں اور اس امر کا قوی احتمال تھا کہ کہیں اخلاقی اقدار اور روحانی روابط اور اپنے عظیم ترین نصب العین کو ہاتھوں سے نہ دے بیٹھیں۔

بالکل یہی اوضاع اور حالات اس دور میں تھے، اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ آپ کتاب اغانی ابوالفرج اصفہانی پر ایک نظر ڈالیں تاکہ حقیقت آپ پر روشن ہو جائے۔

امام علی بن الحسینؑ نے اس خطرے کا احساس فرمایا، اس کے علاج اور چارہ گری کے لئے کام کا آغاز کر دیا، اس خطرہ سے بچنے اور اسے روکنے کے لئے "دعا" کو بنیاد قرار دیا، اور صحیفۂ سجادیہ جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ انہی دعاؤں کا نتیجہ و ماحصل ہے، اس امام بزرگ نے اپنی بے نظیر بلاغت کی صلاحیت سے اپنی بے مثال قوتِ بیان سے کہ ادبیات عرب کی روشیں جس تک پہنچنے سے قاصر تھیں اور اپنی مخصوص

معرفتِ الٰہی سے، ان عجیب ترین اور دقیق ترین مطالب و مفاہیم کو الفاظ کے سانچوں میں ڈھال دیا، جو خدا کے ساتھ انسان کے رابطہ کو ظاہر کرتے ہیں اور اس کے خدایابی کے وجد و نشاط کو سرشار کر دیتے ہیں اور انسان کے مبداء و معاد کے ساتھ تعلّق اور وابستگی کے جذبہ کو تجلی بخشتے ہیں آپ نے حق و حقانیت اور اخلاقی قدروں اور ان سے پیدا ہونے والی تکلیفات و ذمہ داریوں کو الفاظ و کلمات کے قالب میں ڈھال کر مجسّم کر دیا۔

میں کہتا ہوں امام علی بن الحسینؑ نے اپنی ان بھرپور صلاحیتوں اور مواہبِ الٰہی جن سے آپ کو نوازا گیا تھا، اپنی دعاؤں کے عمل سے اسلامی معاشرہ میں ایک ایسی روحانی فضا قائم کر دی، جس میں ایک مسلمان، ہوس اور آز کی تند و تیز آندھیوں میں کھڑا رہ سکے اور جب زمین اس کو بلانا چاہے تو وہ خود کو اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ کرے، اس کو بتائے کہ کن روحانی قدروں کی خاطر وہ روئے زمین پر نمودار ہوا ہے، وہ کیونکر اور کس طرح ثروت و رفاہیت میں امین ہو سکتا ہے، جس طرح وہ بھوک اور فقر فاقہ کے زمانہ میں امین تھا، جب وہ پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔

امام علیہ السلام کے حالات میں آیا ہے کہ آپ ہر جمعہ کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کرتے تھے، ان کو دنیا میں زہد اور آخرت کے کاموں میں شوق و رغبت دلاتے تھے اور انہیں پند و موعظہ فرماتے تھے، دعاؤں کے ان مختلف انواع جواہر پاروں، اور حمد و ثنا کی ادعیہ کو، جو آپ کی خدائے سبحان، واحد لاشریک اور بے نیاز کی بارگاہ میں مخلصانہ عبادت کو اجاگر کرتے ہیں، بلند اور پر اثر آواز میں لوگوں کے سامنے پڑھتے تھے۔

اس طرح ہم صحیفۂ سجادیہ کو ایک بہت ہی بڑا اجتماعی عمل قرار دے سکتے ہیں جو اس دور کے حالات اور تقاضوں کے عین مطابق تھا، جب امامت و رہبری کا منصب آپ کے سپرد ہوا تھا، علاوہ اس کے کہ یہ صحیفہ ہماری الٰہی تعلیمات کی ایک بے مثال میراث ہے، ایک

بہت بڑا مکتبی منبع، ایک ہدایت ربانی کی مشعل فروزاں اور اسلامی اخلاق وتربیت کا ایک مدرسہ ہے جو زمانوں کے گزرنے پر بھی پائیدار ہے اور رہے گا، اور انسانیت ہمیشہ اس میراثِ محمدی اور علوی کی نیازمند رہے گی، اور جتنا بھی دنیا کے دلفریب شیطان کی گمراہیاں بڑھتی جائیں گی اتنی ہی اس کی ضرورت واہمیت بڑھتی جائے گی۔

فسلام علی امامنا زین العابدین یوم ولد ویوم ادی رسالۃ ویوم مات ویوم یبعث حیا۔ درود وسلام ہو ہمارے امام زین العابدینؑ پر، آپ کے روزِ ولادت، روز ادائے رسالت، روز وفات اور دوبارہ زندگی کے روز پر سلام۔

النجف الاشرف محمد باقر صدر

امام صدر شہید کی زندگی

ایک عملی درس ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام صدر شہید کی زندگی ایک عملی درس ہے

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے ڈائرکٹر جناب اکبر ثبوت کی تقریر کا ترجمہ ہے جو انہوں نے امام صدر شہید کی دوسری برسی پر کی تھی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (آلِ عمران : ۱۶۹-۱۷۰)

اور تم گمان نہ کرو کہ راہِ خدا میں قتل ہونے والے مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں سے روزی پاتے ہیں، وہ اس نعمت پر خوش ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے آ نہیں ملے انہیں بشارت دیتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف اور حزن نہیں ہے۔

تمام مجاہدینِ راہِ خدا پر سلام، خاص کر ان پر جنہوں نے ابتدائے تاریخ سے آج تک انتہائی خلوص کے ساتھ اپنی تمام قیمتی متاع یعنی جان، خون، ہستی اور حیات کو حق و عدالت کے دفاع اور باطل و ظلم سے جہاد میں قربان کر دیا۔

کربلا کے شہیدوں پر سلام جنہوں نے ایثار، قربانی اور فداکاری کا درس دیا جن کا طرزِ عمل تمام حریت پسند مجاہدوں کے لئے الہام بخش ہے۔

انقلابِ اسلامی کے شہیدوں پر سلام، جنہوں نے مادیت کے اس دور میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اور اپنے خون سے ایک روشن کتاب لکھی۔

قائد صدرؒ امام صدرؒ شہید صدر پر سلام جو اپنی مختصر عمر میں جوان نسل کے لئے ایک روشن چراغ چھوڑ گئے اور اسلامی معاشرے میں دانش اور معرفت کا ایک ثمر آور درخت بو گئے اور اپنی دردناک شہادت کے ذریعہ ایک جابر حکومت کو رسوا کر گئے، اس کی چولیں ہلا گئے۔ ہمیں اور حریت پسندوں کو مقاومت اور استقامت کا درس دے گئے۔

اب چونکہ ان کی شہادت کو دو سال گزر چکے ہیں اور ہم ان کی دوسری برسی کے موقع پر ان کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو درحقیقت ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس عظیم ہستی کی تعلیمات ان کی زندگی اور شہادت سے جو سبق ملتے ہیں اسے ایک دوسرے کو سنائیں، اپنے قلوب اور اذہان میں اسے زندہ کریں تاکہ یہ سبق ہمارے ذہن، عقل، روح، قلب اور دماغ میں پورے طور پر جاگزیں ہو جائیں اور ہم اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ اپنی تمام سرگرمیوں کو اور زندہ رہنے اور موت کو گلے لگانے سے متعلق تمام پروگرام انہی بنیادوں پر استوار کریں۔

چونکہ امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہر روز عاشورا ہے اور ہر زمین کربلا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر روز اجتماع کریں اور ان کی زندگی کی بات کریں اور اس سے سبق حاصل کریں تاکہ ہماری زندگی بھی اسی درس کی بنیاد پر استوار ہو جائے۔

امام صدرؒ کی شخصیت یا کسی بزرگ شخصیت کی زندگی کے بارے میں جب ہم بات کرنا چاہیں، تحقیق کرنا چاہیں اور اس کی علت، وجہ اور سبب معلوم کرنا چاہیں تو سب سے پہلے چند باتیں تمہید کے طور پر جاننا ضروری ہیں۔

زندگی کیا ہے؟ حیات کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہونا چاہیئے کہ زندگی، حرکت، تلاش اور سرگرم عمل رہنے کا نام ہے۔ اگر حرکت، تلاش اور سرگرمی زندگی سے جدا ہو جائے تو پھر زندگی نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ اقبال کے فارسی کے چند اشعار ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

"یہ دنیا ایک سمندر کی مانند ہے اور اس سمندر میں ہم میں سے ہر ایک موج کی طرح ہے۔ موج اسی وقت تک موجود اور زندہ رہتی ہے جب تک حرکت کرے، آگے بڑھتی رہے اور فعالیت جاری رکھے۔ سرگرم رہے۔

ہم بھی زندگی کے سمندر میں اس موج کی طرح ہیں کہ ہماری زندگی بھی حرکت پر منحصر ہے اگر ہم ٹھہر گئے اور تلاش و حرکت نہ کی تو مردہ ہو جائیں گے زندہ نہیں رہیں گے۔"

اب یہ حرکت جو ہمیشہ ہونی چاہیئے۔ یہ کس لئے ہے؟ اس کا ہدف کیا ہے؟ یہ حرکت کامل ہونے کے لئے ہے۔ سادہ دینی الفاظ میں یہ سیر و حرکت خدا کی درگاہ کے نزدیک ہونے کے لئے ہے، انسان تب کامل ہوتا ہے جب مقربانِ خدا میں سے ہو۔ جتنا ہم درگاہِ خدا کے قریب ہوتے جائیں گے اتنے ہی ہم کامل تر ہوتے جائیں گے۔

تو یہ کمال ہمیں کس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے؟

یہ کمال ہمیں حق کی پرستش، مخلوق خدا کی خدمت، نفس کی پاکیزگی، اخلاق کی عمدگی اور علم کی زیادتی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

تو اس حرکت کا آغاز کہاں سے ہونا چاہیئے؟

اس حرکت کا آغاز جھوٹے خداؤں کی نفی سے ہونا چاہیئے اور وہ بھی صرف زبانی نہیں بلکہ ایک وسیع عملی جد و جہد کے ذریعہ جس میں انسان کے تمام اعضاء و جوارح روح و بدن شریک ہوں اور اس کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

تو جب ہماری زندگی حرکت بسوئے خدا کا نام ہے، ٹھہرنے اور پیچھے ہٹنے کا نام زندگی نہیں ہے تو اس کے لئے مشکل یہ ہے کہ حرکت بسوئے خدا میں رکاوٹیں اور کانٹے بہت ہیں۔ طاغوت اور شیطان مختلف صورتوں میں ہماری خدا کی طرف حرکت کی راہ میں کئی رکاوٹیں کھڑی کرتا رہتا ہے تاکہ ہماری اور معاشرے کی حرکت کو روک دے۔

اس لئے اگر ہم چاہیں کہ خدا کی طرف حرکت کریں تو اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ تمام رکاوٹوں اور رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں سے جنگ اور مقابلہ کریں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان رکاوٹوں سے جہاد کس طرح کرنا چاہیئے، کیسے حرکت کرنی چاہیئے؟ تو اس کا طریقہ پیغمبر اسلام صلعم سے سیکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد رب العزت ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

پیغمبرِ خدا تمہارے لئے نمونۂ عمل ہیں۔

ہمیں کس طرح حرکت کرنی چاہیئے اور ان رکاوٹوں کو دور کرنا چاہیئے۔ ان دونوں کے لئے پیغمبر صلعم نمونہ ہیں۔ اسی طرح تمام ائمہ اور پیشوا جو پیغمبر کے نقشِ قدم پر چل کر خدا کی طرف حرکت فرماتے رہے اور لوگوں کو خدا کی طرف حرکت دیتے رہے نمونۂ عمل ہیں۔ تمام کا مقصد یہ تھا کہ دینِ اسلام زندہ ہو جائے۔ اور اسلام کے قوانین جاری ہو جائیں۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان کان دین محمد لم یستقم الا بقتلی فیاسیوف خذینی

اگر پیغمبر کا دین میرے قتل کے بغیر درست نہیں ہو سکتا تو اے تلوارو آؤ اور میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

اور فرماتے ہیں:

فان تکن الابدان للموت المنشئت
فقتل امرء بالسیف فی اللہ اجمل
وان تکن الدّنیا تعد نفیسۃ
فان ثواب اللہ اعلی و افضل

ترجمہ: اگر بدن مرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو مرد کا تلوار سے قتل ہونا بہتر ہے۔
اور اگر دنیا اچھی چیز سمجھی جاتی ہے تو خدا کا ثواب اس سے بہت بلند اور افضل ہے۔

ہماری مادی زندگی بہر حال ختم ہو گی لہٰذا کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان مقام شہادت کو پالے کیونکہ دنیا کا سامان چاہے کتنا ہی قیمتی ہو لیکن بہر حال خدا کے ثواب سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔

تو امام صدر بھی اسی مکتب فضیلت و شہادت کے وارث تھے جنہوں نے اپنے عظیم پیشواؤں سے سبق سیکھا تھا کہ "ان الحیوۃ عقیدۃ و جہاد" یعنی زندگی صرف عقیدے اور جہاد کا نام ہے، چنانچہ اسی بنا پر ان کی پوری زندگی خلاصہ تھی صحیح عقیدے کی نشر و اشاعت، اس کے نفاذ کے لئے جہاد اور ان عوامل کے ساتھ مقابلے کا جو اس کی نشر و ترویج اور اس کے نفاذ میں رکاوٹ تھے۔

جب ہم اس زمانے میں امام صدر شہید کی شخصیت کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ کتنے محاذوں پر جنگ کرتے رہے اور آخر میں اپنا خون اسلام کی راہ میں نثار کر دیا اور اپنی زندگی اور موت دونوں کے ذریعہ کوشش کی کہ پیغمبر اور ائمہ علیہم السلام کے نمونہ سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھیں۔

وہ ایک ایسے زمانے میں زندگی گزار رہے تھے کہ ان کے دین و مذہب کو کئی قسم کے خطرات کا سامنا تھا، بعض خطرات علم و ثقافت اور جدید فلسفے سے، بعض زور اور زر سے، بعض دھوکہ اور فریب سے اور بعض فرقہ وارانہ اور نسلی تعصبات سے لیس تھے لیکن امام

صدر ان نوادر روزگار انسانوں میں سے تھے جو ہر قسم کی مشکلات اور خطرات کے مقابلہ کے لئے عزم راسخ اور تصمیم قطعی کے حامل ہوا کرتے ہیں، چنانچہ جتنی مختلف قسم کی مشکلات آپ کو پیش آئیں آپ نے ان کا جم کر مقابلہ کیا۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی زندگی پر نظر ڈالیں اور ان رکاوٹوں کو دیکھیں جو اس میں تھیں۔ اور یہ دیکھیں کہ انہوں نے لوگوں کو حرکت دینے کے لئے کیا کیا۔ چنانچہ ہم ان موانع اور رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے دیکھتے ہیں۔

۱۔ پہلی رکاوٹ یہ تھی کہ شہید صدر ایسی دنیا میں تھے جس میں ایک فلسفۂ مادیت جو روحانیت اور معنویت کے خلاف تھا سامنے لایا گیا تھا۔ اور مشرق و مغرب ہر دو نے اسی مادی فلسفہ پر اپنی بنیاد رکھی تھی۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ جدید علوم سے استفادہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اصل اور بنیاد مادہ ہے اور وہ چیز ہے جو تجربہ گاہ میں آزمائی اور دیکھی جا سکتی ہے۔ اور اس طرح تمام مکاتب الٰہیہ کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی جو خدا کی طرف حرکت میں صدر شہید کے زمانے میں موجود تھی۔ یہ ایک ایسی رکاوٹ تھی جو آپ کے بقول سائنس فلسفہ اور منطق سے لیس تھی۔

صدر شہید نے اسی مانع اور رکاوٹ کو دُور کرنے کے لئے اسی منطق اور علمی انداز میں فلسفہ اور منطق میں بہترین کتابیں تالیف فرما کر مادیت کی کمزوریوں کو واضح اور صحیح اسلامی فلسفہ کو آزاد فکر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

۲۔ دوسری رکاوٹ وہ نظریہ تھا جو پُر فریب اقتصادی نعروں سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور محروم اور جفاکش لوگوں کو بڑی طاقتوں کی غلامی میں لے آتا ہے۔ یہ نظریہ ان نعروں سے لوگوں کو اسلام سے دُور کرتا ہے اور غلامی سے نجات دلانے کے بہانے اسیری میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس سے مقابلے کے لئے بھی صدر شہید نے منطق اور علم کے ذریعہ اقتصادیات میں بہترین کتابیں لکھ کر واضح کر دیا کہ یہ نظریہ جو کمزوروں کا حامی ہے، اسی طرح دیگر نظریات بھی نہ صرف نعرے ہی ہیں بلکہ لوگوں کو نئے ارباب کی غلامی میں بھی دے دیتے ہیں۔

۳۔ تیسرا مانع جو امام صدر کے زمانے میں تھا اور آپ نے اس کا مقابلہ کیا وہ افراد اور گروہ ہیں جو سنّی مکتب فکر کے دفاع کے بہانے مکتب تشیع پر حملہ آور ہوئے اور بجائے اس کے کہ دشمنِ اسلام پر حملہ کرتے انہوں نے اپنا رخ شیعوں کی طرف موڑ دیا۔

ان سے مقابلہ کرنے کے لئے بھی امام صدر نے اپنی علمی سرگرمیوں کا ایک وسیع حصّہ اسی کے دفاع کے لئے وقف کر دیا، چنانچہ ولایت و امامت مہدویت وغیرہ پر بہترین کتابیں تالیف فرمائیں۔

۴۔ چوتھا مانع، بہت سے علماء اور فقہاء کی تحقیق کا انداز تھا۔ آپ نے دیکھا کہ اکثر فقہاء کی فقہی تحقیقات اسلام کے انفرادی اور جزئی قوانین کے بارے میں ہیں اور اسلام کے اجتماعی قوانین اور زمانے کے تقاضوں کو بہت کم مدنظر رکھا گیا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں شہید صدر نے ایک فقہی مکتب کی بنیاد رکھی جس کا بھروسہ اسلام کے اساس اور اجتماعی مسائل اور زمانے کے مسائل پر ہے اور اس کے مطابق ہر فقیہ کا فریضہ ہے کہ تقاضائے زمانہ کے مطابق اسلام کے احکام کو استنباط کر کے پیش کرے۔

۵۔ پانچواں مانع، ایک اور رکاوٹ جو تمام علماء اور شہداء کے سامنے تھی اور ہے اور ایک بہت بڑا مانع ہے وہ مغرب یا مشرق کی پٹھو یا ان سے گہرا ربط رکھنے والی حکومتیں ہیں۔

یہ حکومتیں مختلف وسائل کے ذریعہ اسلامی حکومت کے سامنے حائل تھیں اور ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ حکومت کی تشکیل کی بنیاد اسلام نہ ہو۔ اسلام کے اجتماعی اور سیاسی مسائل، حکومت کی بنیاد نہ ہوں بلکہ قومیت، نسل، عربیت، عجمیت اور ترکیت وغیرہ بنیادِ حکومت

ہوں۔ حکومت کی بنیاد کے سلسلہ میں مشرق یا مغرب کی تقلید کرنی چاہیئے۔ حکومت اسلام کے لئے نہیں بلکہ استعماریوں کے مفاد کے لئے ہے۔ یہ حکومتیں تمام تبلیغی وسائل رکھتی تھیں اور طاقت کے ذریعہ بھی اسی انداز کے اجراء کی کوشش کر رہی تھیں۔

اس کے مقابلے میں امام صدر نے ہر دو محاذوں پر مقابلہ کیا۔ پہلے ثقافتی میدان میں بہترین کتابیں لکھیں اور ثابت کیا کہ وہ حکومت جو حق ہے اور تمام افراد و طبقات کے حقوق بہتر طریقہ سے ادا کر سکتی ہے اور انسان کو کمال تک پہنچنے کے ذرائع مہیا کر سکتی ہے وہ صرف اسلامی حکومت ہے نہ وہ حکومت جو مغرب و مشرق کی پیروکار ہے، یا جس کا پروگرام روس و امریکہ سے آتا ہے۔

امام صدر نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا حالانکہ یہ مقابلہ بھی خطرناک تھا اور مشکلات رکھتا تھا۔ بلکہ امام صدر نے تالیف و تصنیف اور خطبات کو کافی نہ سمجھا بلکہ کوشش کی کہ اس معاشرے کی ظالم و جابر حکومت جو اس اسلامی سرزمین سے اسلام کو اکھاڑ پھینکنا چاہتی ہے اور اسے اجانب (غیر ملکیوں) کی آماجگاہ بنانا چاہتی ہے اس کا مقابلہ کیا جائے۔

صدر شہید نے اس حکومت کا روبرو مقابلہ کیا نہ صرف تبلیغی کتابیں لکھیں خطبات دیئے بلکہ مسلم مسلح گروہوں کی مدد کی جو بعثی حکومت کے خلاف جنگ میں مشغول تھے۔

یہ مسلم امر ہے کہ جنگ میں علوہ نہیں بانٹا جاتا بلکہ جب شہید راہِ جہاد کا انتخاب کرتا ہے تو وہ شہادت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ چنانچہ جو سختیاں اور مشکلات انہوں نے اس سلسلہ میں جھیلیں ان سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ شہادت کے علاوہ اور کوئی انجام نہیں ہے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ جنہوں نے فرمایا:

"انی لا اری الموت الا سعادۃ ولا اری الحیاۃ مع الظالمین الا برما"

ترجمہ: "میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو عار سمجھتا ہوں۔"

چنانچہ اس کے پیشِ نظر صدر شہید اس راہ پر یہ کہتے ہوئے چلے کہ میں نے شہادت کا مصمم ارادہ کرلیا ہے، یہاں تک کہ ان کا عاشور بھی آپہنچا اور سخت تکلیفوں کے بعد اپنی بہن کے ساتھ شہادت کا شرف پایا۔

ہم خدا سے چاہتے ہیں کہ ہم تمام کو، چاہے کاریگر ہوں یا تاجر، کسان ہوں یا مزدور، طالب علم ہوں یا عالم توفیق دے کہ ثقافتی، سیاسی تمام محاذوں پر امام صدر کے راستہ پر چلیں۔

آخر میں زیارت نامہ شہداء کے چند کلمے پڑھتا ہوں۔ اس ایمان کے ساتھ کہ دین کے لئے ان قربانیوں کے بعد شہید صدر انشاء اللہ کربلا والوں کے ساتھ ہوں گے اور یہ سلام ان کو بھی پہنچے گا۔